ذہن لے کر پیدا ہوا، مشرقی ماحول میں پروان چڑھا، پھر یکسر مغربی تعلیم اور مغربی مکاتبِ فکر کے زیرِ اثر اس کے شعور کی تشکیل ہوئی لیکن شاخ و شجر کا رشتہ کہیں ٹوٹا نہیں، اور اسی لئے جب یہ ذہن پھر اپنے روحانی (یا کم سے کم جذباتی) وطن، اسلام، کی طرف لوٹے تو اس معاشرہ کے عام زوال نے ان کی روح کو بے چین کر دیا۔ یہ اس کے اسباب کی تلاش میں نکلے تو کبھی اپنے آپ کو کھو بیٹھے، کبھی مسائل کو اور اُلجھا گئے، لیکن ہمیشہ کچھ نہ کچھ پتہ کی باتیں ضرور کہہ گئے۔ اس طبقہ کے اعلیٰ نمائندہ ذہنوں کے ساتھ قدیم اندازِ فکر والے ذہنوں کا مکالمہ اب ہمارے لئے ضروری ہی نہیں شاید ناگزیر ہو گیا ہے۔ کچھ تراکیب، بعض الفاظ اور بعض جملے (جو اس مقالہ میں بھی ملیں گے) جو صرف اس مغربی مکتبِ فکر کے ساتھ مخصوص ہیں ہمیں اجنبی اور بعض جگہ شاید غیر محتاط بھی لگیں لیکن اسلام اور اسلامی معاشرہ کے لئے بہتری اور برتری کا پُرخلوص خواب دیکھنے کے پس منظر میں اور سب سے بڑھ کر انگریزی اندازِ تحریر کو پیشِ نظر رکھا جائے تو فاصلے کم ہو جائیں گے۔

اس میں شک نہیں مقالہ نگار نے گتھی کو سلجھاتے اس کا ایک سرا پا لیا تھا لیکن دوسرا سرا بحث کی پیچیدگی میں یا پھر مقالہ کے اختصار میں کھو گیا، اور وہ دوسرا سرا یہ تھا کہ ——— تشدد اپنے ردِ عمل میں اکثر نرمی نہیں تشدد ہی پیدا کرتا ہے بالکل اس طرح جیسے جھولے کی ایک لمبی پینگ پیچھے کی طرف بھی اتنی ہی دُور تک لے جاتی ہے۔ معتزلہ اور یونانی علوم کے حامی، اسلامی تاریخ کے اس موڑ پر ایک فکری نرم و سبک سیر رو بننے کے بجائے ایک لمبی پینگ بن گئے، جن میں سے بعض تو اسلام کے بنیادی تصورات ہی پر ضرب لگانے دیتے تھے، توجیہِ نو، تجدیدِ نو، اور تعمیرِ نو، ایک چیز ہے؛ اور نئی بنیادیں ڈالنا بالکل دوسری چیز۔ اور اس میں معتزلہ کا یہ شدت پسند حصہ زیادہ قصوروار بھی نہ تھا کیونکہ یہ نظریے خود ایک پیشرو شدت پسندی کے ردّ میں وجود میں آئے تھے، اور پھر کچھ سیاسی اور معاشی حالات کو بھی اس میں دخل تھا۔ اس شدت پسند اعتزال (نہ کہ مجموعی تحریک) کے ردِ عمل میں اشعری اور غزالی اور ان کے ہمنوا شدت پسند ردِ اعتزال کے پشت پناہ بن گئے، اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسنے لگا۔ امام اشعری، پڑھنے والوں کو یاد ہوگا، خود معتزلیوں کے سرگروہ علماء میں شمار ہوتے تھے!

اسی نکتہ سے مندرجہ بالا معروضہ کی مزید تائید ہوتی ہے کہ سکہ بند مذہبیت نے خود اس عقلیت پسندی